R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

ٹیلی فون ۲۶۰
قیمت فی پرچہ
دس پیسے سالانہ پانچ روپے

جلد ۲۴ ۔ شمارہ ۱۰ | ایڈیٹر:۔ آل احمد سرور | ۸۔ مارچ ۱۹۶۵ء

اداریہ

ہندوستانی زبانوں کے متعلق سرکاری اعداد و شمار

۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے سلسلے کی وہ جلد شائع ہوگئی ہے جو ہندوستانی زبانوں کے متعلق ہے۔ اس کے سرسری مطالعے سے ہی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اردو بولنے والوں کی معقول تعداد قریب قریب ہر ریاست میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں چند اعداد و شمار دل چسپی سے خالی نہ ہوں گے۔

(۱) آندھرا ۲,۵۵۳,۶۵۳ - (۲) آسام ۱۱,۲۹۳ - (۳) بہار ۴,۱۴۹,۲۲۵ - (۴) گجرات ۵۹۳,۹۶۰ - (۵) جموں و کشمیر ۱۱,۲۹۳ - (۶) مدھیہ پردیش ۷,۴۰,۹۰ - (۷) کیرل ۹,۱۶۰ - (۸) مدراس ۵,۰۳,۱۵,۶ - (۹) مہاراشٹر ۲۴,۲۵,۸۲۶ - (۱۰) میسور ۲۸۲,۳۳,۴۳ - (۱۱) اڑیسہ ۹۰,۲۱۳ - (۱۲) پنجاب ۹۹۰,۲۵۵ - (۱۳) راجستھان ۶۵۴,۵۰۹ - (۱۴) اتر پردیش ۷۱,۹۱,۷۸ - (۱۵) مغربی بنگال ۸۴۷,۳۲۸ - (۱۶) انڈمان ۱۸۹۶ - (۱۷) دہلی ۱۵۳,۲۴۷ - (۱۸) ہماچل پردیش ۶۲۷۱ - (۱۹) ۹۵۲۱ - (۲۰) پانڈیچری ۲۵۹۴ -

کل تعداد ۲۳۳۲۴۰۷۶ - دیہاتی ۱۳۹۱۲۲۳۳ شہری آبادی ۹۴۳۰۹۴۳ -

ہندوستان میں مردم شماری کا کام ابھی سائنٹفک طریقے سے نہیں ہو سکا ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ایسے مردم شماری کے اوپر کے اسٹاف نے نہایت ایمانداری سے کام کیا ہے، مگر نیچے کی سطح پر فارم بھروانے والے زیادہ تر چھوٹے سرکاری افسر اور ابتدائی اسکولوں کے استاد تھے جنھیں خاصا اہم اور ذمے دار کام کا بہت قلیل معاوضہ دیا گیا تھا اس لیے فارم بھروانے میں وہ احتیاط نہیں ہو سکی جو ہونی چاہیے تھی اور یہ تو ہمارے علم میں ہے کہ کئی محلے یا مرکز بالکل چھوٹ گئے۔ مثلاً علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کئی ہوسٹلوں میں سرے سے کوئی آیا ہی نہیں۔ اس لیے ہمارے نزدیک یہ اعداد و شمار قطعی نہیں سمجھے جا سکتے اقلیت کی زبانوں کے سلسلے میں چوں کہ ابھی بہت سے لوگوں کا رویہ منصفانہ نہیں ہوا ہے اس لیے غلطی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ پھر بھی یہ تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ڈھائی کروڑ کے قریب آبادی اردو بولتی ہے اور قریب قریب ہر ریاست میں بھی خاصی معقول تعداد میں اس کے بولنے والے پائے جاتے ہیں۔ دہلی میں جو تعداد اردو بولنے والوں کی بتائی گئی ہے وہ بظاہر غلط معلوم ہوتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ تعداد میں اردو بولنے والے وہاں موجود ہیں اور اس بات کی جانچ کسی بھی وقت کی جا سکتی ہے۔ بہر حال سوال یہ ہے کہ جمہوری ہندوستان اس قومی زبان کے جائز حقوق کی طرف سے کب تک بے اعتنائی کرے گا اور کب تک حکومت اس سلسلے میں اپنے فرض سے غافل رہے گی۔ یہ زبان ترقی تو پھر بھی کرے گی کیوں کہ یہ ایک جان دار اور شان دار زبان ہے۔ مگر حکومت کے دامن پر اس وقت تک دھبا رہے گا جب تک وہ اسے سرکاری طور پر تسلیم نہیں کرتی اور اس طرح اس کی ترقی کے راستے نہیں کھولتی۔ اردو زبان والے اپنا حق لے کر رہیں گے۔

اس شمارے میں

سیر بین

اخبار اسٹیٹسمین میں ایک دلچسپ خبر شائع ہوئی ہے۔ جی ہاں کہ ہماری زبان کے پڑھنے والے محروم رہ جائیں۔ ۲۶ جنوری کے بعد مرکزی حکومت کے تعمیرات کے محکمے سے صرف ہندی میں ایک خط مدراس گیا۔ واضح رہے کہ چونکہ ہندی کے ساتھ انگریزی بھی شریک زبان ہے اس لیے خط کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہونا چاہیے تھا۔ مدراس میں اس نے دفتری مراحل بہت جلد طے کر لیے اور وہاں کے وزیر تعمیرات کے پاس پہنچ گیا۔ وزیر نے شدھ تامل میں اس کا جواب دیا۔ جواب تو جلد موصول ہو گیا مگر مرکزی حکومت کو تامل سے ترجمہ کرانے میں وقت لگا۔

شری کیلاش پرکاش وزیر تعلیم و مالیات اتر پردیش نے کہا ہے کہ چونکہ اردو کا کوئی علیحدہ علاقہ اتر پردیش میں نہیں ہے اس لیے اتر پردیش میں اردو کو سرکاری زبان تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اب وزیر موصوف کو کون بتائے کہ دفعہ ۳۴۷ کے تحت صدر جمہوریہ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ کسی ریاست میں اگر ایک معقول تعداد کوئی زبان بولتی ہے تو صدر اس زبان کو کچھ سرکاری اغراض کے لیے سرکاری زبان تسلیم کر سکتا ہے۔ یعنی علیحدہ علاقے کا سوال نہیں ہے معقول تعداد میں اردو بولنے والوں کا سوال ہے۔ علیحدہ علاقہ ہوتا تو لسانی ریاستوں کی تشکیل کے وقت ایک علیحدہ ریاست وجود میں آ سکتی تھی۔ ہندی اور اردو کا علاقہ ایک ہی ہے۔ بلکہ انصاف سے دیکھا جائے تو اتر پردیش میں اردو کا چلن ہندی سے زیادہ ہی ہے۔ اتر پردیش میں کھڑی بولی، برج، اودھی، بھوجپوری اور بندیل کھنڈی کے علاقے ضرور ہیں۔ ان سب کو آپ ہندی کہتے ہیں تو کہیے مگر اردو کو آپ اتر پردیش میں کس طرح نظر انداز کر سکتے ہیں۔ اقبال نے شاید انھیں کے لیے کہا تھا ؎

خضر کیوں کر بتائے کیا بتلائے　　اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے

جو لوگ کہتے ہیں کہ اردو تو کچھ شہروں میں بولی جاتی ہے دیہات سے اسے کیا واسطہ۔ انھیں ۱۹۶۱ء کی مردم شماری میں ہندستانی زبانوں کے اعداد دیکھنے چاہئیں۔ اس رپورٹ کے مطابق کل اردو بولنے والوں کی تعداد دو کروڑ تینتیس لاکھ تئیس ہزار سینتالیس (۲,۳۳,۲۳,۰۴۷) ہے۔ ان میں سے دیہاتی آبادی ایک کروڑ انتالیس لاکھ سولہ ہزار دو سو تینتالیس (۱,۳۹,۱۶,۲۴۳) ہے اور شہری آبادی چورانوے لاکھ چھ ہزار آٹھ سو چار (۹۴,۰۶,۸۰۴) ہے۔

مدھیہ پردیش میں ۲۵۰ زبانیں بولی جاتی ہیں

بھوپال۔ ۲۷ فروری۔ مدھیہ پردیش میں ۲۵۰ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان زبانوں میں ہندوستان کی تمام اہم علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ ۲۵ غیر ملکی زبانیں بھی شامل ہیں۔

۱۹۶۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق مختلف زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد مندرجہ ذیل ہے:۔

ہندی ۲۳,۲۰۰,۰۰۰ ـ راجستھانی ۱,۹۱۱,۶۵۶ ـ
مراٹھی ۱,۲۵۹,۴۸۲ ـ گونڈی ۱,۰۴۵,۹۸۶ ـ
بھیلی ۸۶۵,۹۱۶ ـ اردو [illegible] ـ
اُڑیا ۳۰۹,۴۹۳ ـ کرکی ۲۷۶,۱۹۳ ـ سندھی ۱۸۱,۹۰۵ ـ
گجراتی ۱۳۹,۲۰۹ ـ پنجابی ۱۱,۹۵۵ ـ بہاری ۹۳,۶۰۹ ـ
بنگالی ۵۲,۸۱۳ ـ

جنوبی ہند کی زبانوں کو بولنے والوں کی تعداد حسب ذیل ہے۔

ملیالم ۵۰,۸۲۲، تامل ۲۵,۱۴۱، ملیالم ۱۹,۹۲۴، کنڑ ۵,۲۳۲ ـ

ان زبانوں کے علاوہ آسامی، کشمیری اور سنسکرت بولنے والوں کی بھی ایک خاصی تعداد ہے۔

۵۰۰ اردو داں استادوں کا تقرر

لکھنؤ۔ ۲۲ فروری۔ یہاں وزیر اعلیٰ مسز سوچیتا کرپلانی نے بتایا کہ یو۔پی میں حال ہی میں جو ڈھائی ہزار ٹیچر بھرتی کیے گئے ہیں ان میں ۵۰۰ اردو داں بھی ہیں۔ وزیر اعلیٰ نے یہ بات انجمن ترقی اردو لکھنؤ کے ایک وفد سے کہی۔

وفد نے وزیر اعلیٰ سے کہا کہ وہ وزرائے اعلیٰ کانفرنس میں اردو والوں کے اس پرانے مطالبہ کو اٹھائیں کہ یو۔پی میں اردو کو علاقائی زبان تسلیم کیا جائے۔ وزیر اعلیٰ مسز کرپلانی نے بتایا کہ وہ اردو پڑھنے والوں کے لیے جو کچھ ہو سکے گا کریں گی۔

(قومی آواز۔ لکھنؤ)

اعلان

مقامی شاخیں اپنی سال بھر کی سرگرمیوں کی روداد ریاستی شاخ کو اور ریاستی شاخ اپنی اور اپنے علاقے کی مقامی شاخوں کی روداد مرکز کو جلد سے جلد بھیجیں۔ ۱۹۶۳ء کی کارگزاری کی روداد یکم اپریل تک مقامی شاخیں ریاستی شاخوں کو بھیج دیں اور ریاستی شاخ ۱۵ اپریل تک مرکز کو اپنی رپورٹ روانہ کر دے۔

جنرل سکریٹری

محمد انصار اللہ

انیسویں صدی کے آخری خبریں

حافظ محمد فیضان خاں حافظ نظامی موکیل ریاں شاگرد مولوی حفظ اکرم حفظ تلمیذ حضرت جلال لکھنوی کے ذخیرۂ کتب میں ۱۸۹۶ء اور ۱۸۹۹ء کے دو اخبارات کا فائل دیکھنے کا موقع ملا ان سے جو یادداشتیں تیار کی ہیں ہدیۂ ناظرین ہیں۔

اخبار اودھ پنچ

اردو کا مشہور اخبار ہے، تعارف کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی صرف ضروری اقتباسات نقل کرتا ہوں۔

۱۵ اپریل ۱۸۹۸ء جلد بست و دوم نمبر ۱۴

سرسید کا پہلا خط ملک عدم سے (گورستان علی گڑھ) بنام ڈمبر طراز صبح جواب۔

۱۲ اپریل ۱۸۹۸ء جلد بست و دوم نمبر ۱۵

قطعہ تاریخ در تعزیت وفات حسرت آیات آنریبل ڈاکٹر سرسید احمد خاں بہادر کے سی ایس آئی، ایل ایل ڈی، مرحوم و مغفور مصنفہ جناب سید محمد مرتضیٰ صاحب بیانؔ یزدانی رئیس میرٹھ کل اشعار ۲۵۔

پہلا شعر۔ قہر ہے سرسید احمد خاں بہادر کی وفات
وہ زمیں کا فخر جو آسماں سے اٹھ گیا

مقطع ۔۔۔ شعر کیسے نظم کس کی نالۂ فریاد کون
شعلۂ آتش دل گرم بیاں سے اٹھ گیا

اس کے بعد دوسرا قطعہ فارسی میں آٹھ شعر پر مشتمل ہے آخری شعر یہ ہے:

چوں دوئی رفت از میاں شد سالِ او
سید احمد خان فانی القوم گشت
۱۸۹۸ء

۵ مئی ۱۸۹۸ء جلد ۲۲ نمبر ۱۸

سرسید

بہار آئی ہے غم کی بادۂ خونِ جگر لانا
گیا سید کے دم کے ساتھ وہ رندوں کا گھرانا
رئیس کول چونکے دیکھ کر سید کی میت کو
یہ لیڈر مر گیا جس پر چڑھا یاروں کا نذرانہ

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا
نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے کرنے والے میں
کہے جو چاہے کوئی میں تو یہ کہتا ہوں اے اکبر
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

قطعہ تاریخ سرسید مرحوم

مطلع۔ اہلِ دنیا ہیں آہ سب بے چین — حادثہ ایسا کیا ہوا قاتل
آخری شعر جس کے ہاتف عیسوی تاریخ — عبرت ناظرین ہوا ہے دل ماتم قل
۱۸۹۸ء

نہ دے اب طول حسن و عشق کے قصہ کو اے بلبل
پڑی ہے تجھ کو اپنے گل کی مجھ کو ایک گلشن کی

اس شعر کو عنوان بنا کر "خاکسار شوکت روزگار طراز" نے سرسید کے انتقال سے متعلق ساڑھے تین صفحہ کا مضمون لکھا گیا ہے

اخبار مہر نیم روز

یہ اخبار مہینے میں چار بار ۶، ۱۳، ۲۰، ۲۷ کو تیار ہو کر ۷، ۱۴، ۲۱، ۲۸ تاریخ کو شائع ہوتا تھا، ضخامت ۱۲ صفحات سائز ۲۲×۲۰ پر چھپا، تین کالم مطبع کریم المطابع بجنور میں بہ اہتمام منشی حافظ محمد کریم اللہ مالک و مہتمم مطبع چھپ کر شائع ہوتا تھا جلد ۱۹ پر یہ شعر لکھے ہوتے تھے۔

مہر عدل بادشاہاں تاکہ باشد ظلم سوز
ماہ روئے راستبازاں تا بود گیتی فروز
تا خبر را در جہاں نسبت احتمال صدق و کذب
کذب را تا صدق باشد جانگزا از دیدہ دوز
اہل بینش را بہ غفلت اے خدائے دو جہاں
سرمۂ چشم بصیرت باد مہر نیم روز

لیکن جلد ۲۰ پر یہ اشعار تحریر ہیں:

تا شہ خاور بود در باختر اختر فروز
تا بود بدر از تجلّی قندیل سر از مہر روز
جشن سالانہ شاہانہ شود حاصل بہ دہر
مطبع و ہم اہل مطبع را چو این نوروز روز
تا بہ عالم مطبع و اخبار را آسی بود
مخبر صادق بود اخبار مہر نیم روز

۲۸ مئی ۱۸۹۸ء جلد ۲۱ نمبر ۲۰

سلام از منبر او جناب مولوی سید محمد کاظم صاحب حبیب کنتوری یادگار خاندان ناسخ مرحوم لکھنوی (کل ۱۳ شعر)

جوش غم سے چشم تر ساغر بنے اور شیشے بنے
گر گئے آنسو خاک پر گوہر بنے اور موتی بنے

۷ مارچ ۱۸۹۸ء جلد ۲۰ عدد

عرضداشت بخدمت جناب سرسید احمد صاحب از خاکسار ازلی مشرف عاصی سبحان علی ساکن جلال آباد ضلع بجنور کل ۲۹ شعر

مطلع: پس از شکست راہ در ترقی بمبر — یہ سرسید احمد سے بجو حرف احقر
آخری شعر: زمین راہ خود را بشرف رساند — چو شد منحرف پای در گل بماند

۱۶ر اپریل ۱۸۹۸ء جلد ۲۰ نمبر ۱۲

"سرسید احمد خاں مرحوم" کے عنوان سے اداریہ ـ ۲۷ر مارچ کی رات کے دس بجے انتقال ہوا۔

قطعہ وفات حسرت آیات ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے سی ایس۔ آئی۔ ایل ایل ڈی۔ ملقب بہ خطاب المشتر زادہ وجعل الجنۃ مثواہ سن تصنیف مولوی احمد حسن صاحب رشتوا بجنوری ثم امبالوی (۱۴ شعر)

نہیں ایسی نظر آتا کوئی از گردش دوراں
قیام پنج روزہ پر جو نازاں کیا کوئی انساں۔
جو سال وصل سید میں نے روح القدس سے پوچھا
تو بولا خاتمہ بالخیر باد از سر احساں

۱۸۹۸ء

۲۳ر اپریل ۱۸۹۸ء جلد ۲۰ نمبر ۱۴

"تعلیم" مرقومہ عالی جناب سر سید احمد خاں بہادر کے سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ایل ڈی مرحوم

۲۱ر اپریل ۱۸۹۸ء جلد ۲۰ نمبر ۱۵

"جین پوری میں سرسید کی وفات پر اظہار غم" اور مولوی محمد نور الحسن صاحب وکیل کا قطعہ تاریخ انتقال (فارسی) ۷ شعر

۴ر مئی ۱۸۹۸ء جلد ۲۰ نمبر ۱۹

اپیل بخدمت جمیع مسلمانان ہند از جانب سرسید میموریل فنڈ کمیٹی، مدرسۃ العلوم مسلمانان واقعہ علی گڑھ کو یونیورسٹی بنانے کی تجویز

۱۴ر جون ۱۸۹۸ء جلد ۲۰ نمبر ۲۲

اداریہ بہ عنوان "مدرسۃ العلوم علی گڑھ" اور اسی عنوان سے طفیل احمد کا مراسلہ۔

۷ر جولائی ۱۸۹۸ء جلد ۲۰ نمبر ۲۵

"تکفیر کا فتوی" سرسید کے متعلق

۲۱ر جولائی ۱۸۹۸ء جلد ۲۰ نمبر ۲۷

"انجمن حمایت اسلام لاہور" مراسلہ انجمن و سرسید سے متعلق

۱۷ر اگست ۱۸۹۸ء جلد ۲۰ نمبر ۳۱

سرسید میموریل فنڈ ـ ہز ہائینس نواب صاحب رامپور کی فیاضی۔

۲۸ر ستمبر ۱۸۹۸ء جلد ۲۰ نمبر ۳۶

وفات حسرت آیات منشی بشارت علی صاحب رئیس کی وفات سے اس قدر رنج ہے کہ دم تحریر قلم سے بھی اشک سیاہ ٹپکتے ہیں آپ نہایت لائق شخص تھے پہلے ان کے بھائی نے انتقال فرمایا تھا اب آپ نے رحلت فرمائی انا للہ وانا الیہ راجعون خدا مغفرت کرے ہم کو جس قدر آپ کے انتقال کا رنج و افسوس ہوا اسی قدر دیر میں خبر ملنے سے افسوس ہے

۲۱ر دسمبر ۱۸۹۸ء جلد ۲۰ نمبر ۴۷

انتخاب کارروائی سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۱۸ نومبر ۱۸۹۸ء بمقام علی گڑھ

۵ر جنوری ۱۸۹۹ء جلد ۲۱ نمبر ۱

"شمس العلماء آزاد" ـ مولوی محمد حسین آزاد شمس العلماء زندہ اور رقی الغایم ہیں پنجاب کے بعض اخبارات کے اعتبار پر یہ خبر مشتہر کی گئی تھی الحمد للہ کہ بالکل بے بنیاد اور غلط نکلی معلوم ہوا کہ شمس العلماء آزاد نہیں بلکہ مولوی محمد الدین پروفیسر فارسی اورینٹل کالج لاہور نے انتقال کیا ہے خیر مولانا آزاد کی ترقی عمر و درازی حیات کے لیے یہ خبر ایک فال نیک تصور کی جائے گی۔

۱۴ر مارچ ۱۸۹۹ء جلد ۲۱ نمبر ۱۰

"انتقال پر ملال" ـ آہ صد آہ جناب شمس العلماء مولانا عبد الحق خلف جناب مولانا فضل حق صاحب نے خیرآباد میں ۵ ر مارچ کو وقت شب ساڑھے دس بجے انتقال فرمایا اس حادثہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب و عجم کے لیے زمانہ تاریک ہو گیا۔

اخبار مہر نیم روز کے مستقل عنوانات اس طرح ہیں:-

۱۔ اداریہ ۲۔ مراسلت

۳۔ کارسپانڈنس، ۴۔ انتخاب اخبارات الف مختصر خبریں

ب۔ طویل خبریں

۵۔ منقولات ۶۔ مختلف واقعات

۷۔ انتخاب گورنمنٹ گزٹ ۸۔ لوکل

اس کے علاوہ آخری صفحہ پر اشتہارات چھپتے تھے۔

سید فضل المتین

اعتراف

میں جب اس دنیا میں آیا
ماں کی الفت باپ کی شفقت میں نے پائی

میں نے جب کچھ ہوش سنبھالا
ہم عمروں کے پیار نے مجھ کو دنیا کی ہر دولت دیدی

تنہائی کے گرد ابوں نے جب مجھ کو اپنانا چاہا
سانولی اک دوشیزہ!
میری شریک ہستی بن کر
زیست کی کشتی کھینے آئی

میں نے جب کچھ لکھنا سیکھا
ہم چشموں نے، اپنا سمجھا
عزت بخشی
اور وطن میں شہرت پائی

میں سب کا ممنون کرم ہوں

دھن کی میرے یہ تخلیقیں
میرے قلم کی یہ تحریریں

سب کے لیے ہیں
سب کے لیے ہیں

شفیق رحمانی

ردّ عمل

آج کچھ دیر پہلے آنگن میں
چڑھتے سورج کی دھوپ میں بیٹھا
پڑھ رہا تھا کوئی حسین غزل
جانے کس شعر کی تمازت سے
تیری یادوں کے دیپ جل اٹھے
فکر احساس کے دریچوں میں

شعبۂ اردو دلی یونیورسٹی میں پروفیسر آل احمد سرور کا توسیعی خطبہ

دہلی ۲۹ر جنوری ۱۹۶۵ء۔ دہلی یونیورسٹی کے توسیعی خطبات کے سلسلے میں پروفیسر آل احمد سرور صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ۲۹ر جنوری ۱۹۶۵ء کی شام کو چھ بجے "جدید اردو تنقید" کے موضوع پر توسیعی خطبہ دیا۔ جلسے کی صدارت ملک کے مشہور ماہر تعلیم پروفیسر خواجہ غلام السیدین، ممبر نیشنل ایجوکیشن کمیشن نے فرمائی۔ جلسے کا افتتاح کرتے ہوئے پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صدر شعبہ اردو دلی یونیورسٹی نے پروفیسر آل احمد سرور کا خیر مقدم کیا اور اردو تنقید کے سلسلے میں ان کی خدمات پر روشنی ڈالی۔

پروفیسر آل احمد سرور نے اپنے مقالے میں جدید اردو تنقید کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ ہماری تنقید میں ایک مدت تک طرفداری کا رنگ غالب رہا ہے اور سخن فہمی کے آداب کم برتے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نقاد کا منصب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی ذاتی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کو معیار بنالے اور اس بنیاد پر کسی کی تنقیص اور کسی کی وکالت کرے بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ وہ ادبی محاکمے کیلیے معروضی اور غیر شخصی معیار تلاش کرے۔ آپ نے جدید تنقید کے مختلف میلانات کا جائزہ لیا اور ترقی پسند تنقید، نفسیاتی تنقید اور جمالیاتی تنقید کے محاسن و معائب پر روشنی ڈالی۔ اور اس طرح اردو تنقید کی موجودہ صورت حال کو واضح کیا۔

اپنے مقالے میں پروفیسر آل احمد سرور نے مشہور انگریزی نقاد سی۔ پی اسنو کے دو تہذیبوں کے نظریے سے بھی بحث کی اور کہا کہ دراصل جدید عہد سائنس کا عہد ہوتے ہوئے بھی ادب سے بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے کہا کہ ادب کو سائنس کے علم اور طریقہ کار سے بہت کچھ سیکھنا ہے اس طرح ادب اور فن کے بغیر سائنس کی تہذیب اور تربیت ممکن نہیں اور ان دونوں کے ربط و اتحاد ہی پر آئندہ تہذیب کا دارو مدار ہے۔

آخر میں صدر جلسہ پروفیسر غلام السیدین صاحب نے فاضل مقرر کا شکریہ ادا کیا اور اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

جلسے کے شروع میں ایک ایٹ ہوم دیا گیا جس میں پروفیسر سیدین، پروفیسر سرور، ڈاکٹر نگیندر، ڈاکٹر سروپ سنگھ، اور اساتذہ شعبۂ اردو شامل تھے۔

(سکریٹری شعبۂ اردو، دلی یونیورسٹی دلی)

سری پرکاش

ہندی کے تسلط سے

ہندوستان کا اتحاد خطرے میں

ہندی کی دنیا میں غالباً میں اس لحاظ سے تنہا شخص ہوں جس نے کبھی ہندی کو کل ہند زبان بنانے کی حمایت نہیں کی۔ اسے راشٹر بھاشا (قومی زبان) کا نام دینا غلط ہے۔ نہ تو حقیقتاً اور نہ قانوناً ہندی قومی زبان ہے۔ ہمارے آئین نے چودہ زبانوں کو تسلیم کیا ہے اور وہ سب کی سب ہماری قومی زبانیں ہیں۔ قومی زبان کے لحاظ سے ہندی کو باقی زبانوں پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔

آئین میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہندی کو کل ہند سطح پر استعمال کے لیے سرکاری زبان تسلیم کیا گیا ہے اور وہ ریاستوں کے مابین خط و کتابت کے لیے استعمال کی جائے گی۔ ہندی کو راشٹر بھاشا کہنے والوں کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ہر شخص کے لیے ہندی سیکھنا لازمی نہیں ہے۔

ہندی کو کل ہند زبان بنانے کے خلاف میرے اعتراضات ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس صورت میں ہندی کا معیار نہیں قائم ہو سکے گا۔ مختلف آدمی مختلف ہندی بولتے ہیں۔ نام نہاد ہندی خطے کے ایک علاقہ کا کوئی آدمی جو ہندی بولتا ہے اسی ہندی خطے کے دوسرے علاقہ کے کسی آدمی کے لیے اس ہندی کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ ہندی کی سیکڑوں بولیاں ہیں۔ ان میں سے بعض کو زبان کا درجہ دینے کی کوشش ہو رہی ہیں۔

میری بڑی خواہش ہے کہ دنیا کی کسی اور زبان کی طرح ہندی کا بھی ایک معیار ہونا چاہیے۔ ہندی کے نام سے پہلے ہی بے شمار بولیاں رائج ہیں اور اگر ان میں بہت سے غیر ہندی بولنے والے گروہوں کی بولیاں شامل کر لی گئیں تو زبانوں کا انبار لگ جائے گا ہر شخص کہتا پھرے گا کہ ہندی بول رہا ہے۔ لیکن کوئی بھی اس کی ہندی نہیں سمجھے گا۔ ڈاکٹر پٹا بھی سیتا رمیہ نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا تھا کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہندی ہندوستان کی قومی زبان بن جائے تو پھر ہمیں ہندی کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ میں اس بھیانک انجام سے اپنی زبان کو بچانا چاہتا ہوں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ غیر ہندی بولنے والے باشندے سرکاری مقاصد کے لیے بھی ہندی کا استعمال قبول نہیں کریں گے اس کی وجہ نفسیاتی ہے۔ حسد اور جلن انسانی ذہن کا ایک غالب جذبہ ہے۔ ہم میں سے بہترین آدمیوں کے اندر بھی یہ جذبہ موجود ہوتا ہے اگرچہ باقی دوسری برائیوں سے کیوں نہ اپنے آپ کو پاک کر لیا گیا ہو۔

انگریزی غیر ملکی زبان ہے جسے ہر شخص نے قبول کر لیا ہے لیکن ایک "علاقائی زبان" کو کوئی بھی اپنانے کو تیار نہیں ہوگا۔

مہاتما گاندھی کے زیر اثر انگریزوں کے زمانے میں بھی ہم نے کئی غیر ہندی علاقوں میں لوگوں کو ہندی سیکھتے دیکھا۔ یہ مہاتما گاندھی کا طریقہ تھا۔ محبت اور پریم کا طریقہ۔ اس زمانہ میں کوئی یہ بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ ہندی پورے ملک کی زبان بنے گی کیوں کہ کسی کے خیال میں نہیں تھا کہ انگریز اس قدر جلد یہاں سے چلے جائیں گے۔

اب جب کہ ہم اپنی قسمت کے آپ مالک ہو گئے ہیں رشک و حسد کی کیفیت ابھر آئی ہے اور غیر ہندی باشندوں نے کوشش شروع کر دی ہے کہ ان کی زندگی میں ہندی کا نفاذ نہ ہونے پائے ہم انسانی فطرت کے خلاف نہیں جا سکتے۔ ہندی کو قومی زبان بنانے کے جوش میں ہم اپنی آزادی کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ اس طرح سے ہم غیر ہندی بولنے والے باشندوں میں ہندی بولنے والوں کے خلاف تلخیاں پیدا کر رہے ہیں۔

دستور ساز اسمبلی نے ہندی کو اس لیے قبول کیا تھا کہ کسی اور علاقائی زبان کی بہ نسبت لوگ اسے زیادہ تعداد میں بولتے ہیں اس سے ہندی بولنے والوں کا حوصلہ بڑھ گیا۔ لیکن وہ ایک بات بھول جاتے ہیں۔ ہندی کے بارے میں دعویٰ ہے کہ اس کے بولنے والے ۲۰ کروڑ ہیں اور تامل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے بولنے والے صرف ۳ کروڑ ہیں اگر یہ پوزیشن بدلی ہوتی اور تامل بولنے والے ۳ کروڑ کے بجائے ۲۰ کروڑ ہوتے اور ہندی بولنے والے بیس کروڑ کے بجائے صرف ۳ کروڑ ہوتے تو ہندی بولنے والے اس صورت میں تامل کو قومی زبان بنانا منظور نہ کرتے۔

اگر ہندی بولنے والا اپنے آپ سے سوال کرے کہ وہ تامل کو قبول کرے گا، تو اسے یہ سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ دوسرے لوگ کس طرح اس مسئلہ کو دیکھتے ہیں۔ ہندی بولنے والے بہت کم لوگ ملک کی کوئی دوسری زبان سیکھتے ہیں انھیں بھی یہ توقع کم رکھنا چاہیے کہ دوسرے بھی ان کی زبان بولیں گے۔

یہ نہ بھولیے کہ ہر شخص اپنی مادری زبان سے محبت کرتا ہے اور دوسری زبان بولنے والے دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی زبان ہندی سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ دستور ساز اسمبلی نے ہندی کو اس کی زرخیزی یا ترقی کی وجہ سے منتخب نہیں کیا۔ بلکہ یہ سمجھ کر منتخب کیا تھا کہ وہ وسیع علاقہ میں مستعمل ہے۔

یہ بھی نہ بھولیے کہ جب ہم نے ایک مرتبہ لسانی بنیاد پر ریاستوں کی حد بندی کے اصول کو مان لیا ہے تو ہم اس کے نتائج سے بھی بچ نہیں سکتے۔ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح مختلف ریاستوں میں اس بنیاد پر زمین کے ٹکڑوں کے مطالبے کیے جا رہے ہیں۔ ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ لسانی ریاستوں میں اپنی زبانوں میں تمام انتظامی، عدالتی اور تعلیمی کام

انجام دیئے جائیں گے یہاں یقینی اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ ملک کے پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے جیسا کہ ماضی میں کئی بار ہوا ہے ہمیں اس روگ کے لیے کوئی اور طریقہ سوچنا پڑے گا۔

یورپ میں بھی جب لسانی مملکتیں وجود میں آئیں اور عیسائیت کمزور ہو گئی تو یورپ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ آج بیسویں صدی میں چودھویں صدی کے برخلاف حالات کچھ بدلے ہوئے ہیں، ہمارے لیے لیڈروں کے لیے ابھی وقت ہے کہ وہ مستقبل کی صحیح تصویر کو دیکھیں اور اس کے لیے صحیح منصوبہ تیار کریں۔

ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ انگریزوں کے دور میں ملک کا جو اتحاد قائم ہوا اب وہ بگڑنے نہ پائے۔ اور جن کے ٹکڑے کرنے میں بٹوارے نے ایک المناک رول ادا کیا ہے اور اب بھی اپنے آپ کو مزید تباہیوں سے بچانا ہے۔ ہمیں خود مختار لسانی ریاستوں کی فیڈریشن کے لیے سوچنا چاہیے جس میں کچھ آل انڈیا سروسیں ہوں گی اور ایک دوسری حکومت دفاع امور خارجہ، رسل و رسائل وغیرہ جیسے خاص کام انجام دینے کے لیے ہوگی۔ اس صورت میں مختلف ریاستوں کے باشندے دوسری ریاستوں کی زبانیں سیکھیں گے بلکہ وہ غیر ملکی زبانیں بھی سیکھیں گے۔

اپنی جمہوریت کی پندرھویں سالگرہ کے موقع پر میری تمنا بس اتنی ہے کہ ہمارے رہنما دور اندیشی سے کام لیں گے۔ اور ہمارے عوام کے رضاکارانہ تعاون سے وہ اپنے خیالات اور نظریوں میں سب رد و بدل کریں گے تاکہ دوسرے اور معاملات کی طرح زبان کے معاملہ میں بھی ہماری لسانی ریاستوں کے عوام کے تمام جذبات و احساسات کا احترام کیا جائے گا، اور اس کے ساتھ ہی ملک کا اتحاد بھی محفوظ ہو جائے۔ (مہند کنکشن)

اردو کی جنگ

اردو کا بھی آخر تذکرہ آ ہی گیا، کیوں نہ آئے۔ وہ ہندوستان کی سب سے بڑی مظلوم زبان ہے، یہ وہ زبان ہے جو اس وقت داخلی جنوبی ہند اور شمالی ہند کے درمیان رابطہ کا کام دے رہی ہے۔ کیونکہ جو زبان فلموں کے ذریعہ جنوبی ہند میں جا رہی ہے، اسے جو بھی چاہے کہہ دے وہ ہندی نہیں کہہ سکتے جو جس کو تقریر اور تحریر میں استعمال کیا جاتا ہے اس طرح جو زبان شمالی ہند کے یاتری جنوبی ہند میں اور جنوبی ہند کے یاتری شمالی ہند میں استعمال کرتے ہیں وہ بھی پاک و صاف ہندی نہیں ہوتی ہے۔ فلمی زبان ہو یا یاتریوں کی زبان ان میں وہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں جن کو ہندی چھوڑ چکی ہے۔

انگریزی اوپر اوپر چل رہی ہے اور اس نے رابطہ یا مشترک زبان کی جگہ اختیار کر لی ہے۔ لیکن نیچے نیچے فلموں کی اور یاتریوں کی زبان چل رہی ہے انگریزی اوپر سے نیچے کی طرف سفر کر رہی ہے اور فلموں اور یاتریوں کی زبان نیچے سے اوپر جا رہی ہے۔ یہ دونوں سفر جاری ہیں اور جاری رہیں گے۔ یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ آیا ان دونوں میں سے کوئی زبان دوسرے کو دبا لے گی یا دونوں اسی طرح مشترک زبان کی شکل میں بڑھتی چلی جائیں گی۔

اگر ہندی نے اردو سے ٹکر نہ لی ہوتی اور اسی کو دبانے کی کوشش نہ کی ہوتی، بلکہ اردو کو اپنے بہت قریب کر لیا ہوتی اور سنسکرت کو اپنے میں بہت زیادہ شامل نہ کیا ہوتا تو آج جنوبی ہند میں ہرگز اتنی سخت مخالفت نہ ہوئی ہوتی۔

مرکزی حکومت اور کانگریس کے سامنے اب جو سوال ہے وہ یہ کہ ہندی کی حمایت میں وہ دونوں کھڑے گئے تو نہیں بڑھ گئی ہیں کہ دوسری زبانیں دبنے لگی ہوں اور اپنے کو غیر محفوظ سمجھنے لگی ہوں۔ کیونکہ ان دونوں نے دیکھ لیا ہے کہ ایک زبان جب دوسری پر زبردستی مسلط کر دی جاتی ہے، تو لوگ اس کو قبول کرنے پر اپنے کو مجبور دیکھ کر بغاوت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ مرکزی حکومت اور کانگریس نے ضرور اس تجربے سے سبق لیا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر وزیر اعظم شاستری نے پارلیمنٹ میں کہا کہ

"جو لوگ اردو پڑھنا چاہتے ہیں ان کو اردو پڑھنے کے تمام مواقع اور سہولتیں ملنا چاہیے بعض اردو والوں کو شکایت ہے کہ وہ اردو پڑھنا چاہتے ہیں، ان کو سہولتیں نہیں ملتی ہیں، اس شکایت کا خاص تعلق دہلی، یو۔ پی، بہار سے ہے۔ میں نے ان علاقوں کے وزیر اعلیٰ مسٹر سوچیتا کرپلانی سے بات چیت کی ہے اور اس مسئلے پر توجہ دی جا رہی ہے کہ جو لوگ اردو پڑھنا چاہتے ہیں، ان کو اردو پڑھنے کی ہر سہولت اور تمام مواقع ملنا چاہیے۔"

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں اردو کا مسئلہ جو اٹھایا گیا وہ صرف اتنا ہی نہیں تھا جس شاستری جی نے کہا۔ یہ مسئلہ ہوا، کہ محمد طاہر (کانگریس)، بھوپیش گپتا (کمیونسٹ)، فرید الحق انصاری (پرجا سوشلسٹ) اور عبد الغنی ڈار صاحبان نے اٹھایا تھا۔ محمد طاہر نے کہا تھا کہ اردو کو اتر پردیش اور بہار میں علاقائی زبان تسلیم کیا جائے۔ ہر چالیس لاکھ ہندوؤں اور مسلمانوں نے اتر پردیش، بہار میں اردو کو علاقائی زبان بنانے کے مطالبے پر دستخط کر کے جو درخواست صدر جمہوریہ کو دی تھی اس کا بھی تک جواب نہیں ملا ہے۔ اصل مسئلہ اردو کو کسی ریاست میں بھی قانونی جگہ نہیں دی گئی ہے۔ مرکزی حکومت نے بھی اس کے ساتھ یہی سلوک رکھا ہے چنانچہ دہلی میں بھی اردو کو کوئی قانونی جگہ نہیں ملی ہے۔

حد یہ ہے کہ مہاراشٹر میں بھی اردو کی کوئی قانونی پوزیشن نہیں ہے جہاں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اردو کے ساتھ بہتر سلوک کیا جا رہا ہے۔ اصل سوال یہ ہے اردو کا کہ اس کو قانونی جگہ دی جائے۔ اگر یہ جگہ نہیں دی جاتی ہے تو پھر اردو والوں کا یہ احساس ختم نہیں ہوگا کہ وہ مظلوم ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ وزیر اعظم نے اردو کے سب سے اہم مسئلے پر روشنی نہیں ڈالی۔ (اداریہ قومی آواز)

مراسلات

ہند و پاک کے ممتاز ترین شاعر اقبال

مندرجہ بالا عنوان کے تحت ہماری زبان (یکم فروری ۱۹۷۵ء) میں تاجکستانی سائنس داں عبداللہ غفوروف کی کتاب "محمد اقبال اور ان کی فارسی شاعری" کے متعلق "افکار" بھوپال سے ایک نوٹ نقل کر کے شایع کیا گیا ہے جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے۔

"برصغیر ہند و پاک کے ممتاز شاعر محمد اقبال (۱۸۷۳ء تا ۱۹۳۹ء) نے آبادی کے بہت بڑے حصے میں نوآبادیت دشمن اور سامراج مخالف جذبات پیدا کرنے میں......

میں نے عبداللہ غفوروف صاحب کی کتاب نہیں دیکھی لیکن اگر اس کتاب میں مصنف نے ڈاکٹر اقبال کی پیدائش اور وفات کی وہی تاریخیں درج کی ہیں جو "افکار" بھوپال یا "ہماری زبان" علی گڑھ نے نقل کی ہیں تو مصنف ان تاریخوں کے بارے میں بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

جہاں تک تاریخ وفات کا تعلق ہے دنیا جانتی ہے کہ علامہ اقبال کا انتقال ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہوا۔ اس کی جگہ ان کی تاریخ وفات ۱۹۳۹ء لکھنا عدم واقفیت کا نہیں عدم احتیاط کا نتیجہ ہے۔ میں اس وقت تک اس خیال میں تھا کہ اس قسم کی بے پروائی اور غیر ذمہ داری صرف ہندوستانی اور پاکستانی "محققین" کے حصہ میں آئی ہے لیکن اس نوٹ سے اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ بحمد اللہ روس ایسا ترقی پسند ملک بھی اس اعتبار سے ہماری ہی صف میں شریک ہے۔

رہی علامہ مرحوم کی تاریخ پیدائش کی بات تو اس سلسلے میں غفوروف صاحب کو مورد الزام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ علامہ کی تاریخ پیدائش کا تعین [illegible] بڑی حد تک کثرتِ تعبیر کی نذر ہو چکا ہے۔

اس وقت تک علامہ کے بارے میں جس قدر کتابیں شایع ہو چکی ہیں تقریباً ان تمام میں ان کی تاریخ پیدائش ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء ہی درج ہے۔ مولانا عبدالمجید سالک کی تصنیف "ذکر اقبال" میں بھی ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء درج ہے۔ تقسیم سے قبل ہندوستان کا محکمہ آثار قدیمہ اور اب پاکستان کا محکمہ آثار قدیمہ بھی اس غلطی میں برابر کے شریک ہیں۔

یہ غلطی محض ایک غلط فہمی کی بنا پر پیدا ہوئی ہے جس کا ذکر سید وحید الدین نے اپنی کتاب "روزگار فقیر" میں بڑی وضاحت کے ساتھ کیا ہے۔ سید وحید الدین صاحب لکھتے ہیں۔

"۲۲ فروری ۱۸۷۳ء کو علامہ کے والد بزرگوار شیخ نور محمد صاحب (جن کا عرف شیخ نتھو تھا) کے ہاں "ایک لڑکا" پیدا ہوا۔ لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ یہ لڑکا علامہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا یا یہ کہ اندراج علامہ ہی کی پیدائش کے متعلق ہے اس کے برعکس راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق یہ اندراج شیخ نور محمد صاحب کے ہاں ایک اور لڑکے کی پیدائش کے متعلق ہے جو علامہ سے تین چار سال پہلے پیدا ہو کر شیر خواری کی عمر میں وفات پا گیا۔ میری درخواست پر علامہ کے برادر زادہ شیخ اعجاز احمد نے اپنی ایک پھوپھی صاحبہ سے جو ابھی بفضل تعالیٰ حیات ہیں تصدیق کرائی ہے کہ علامہ کی پیدائش سے تین چار سال قبل ان کے والد کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔ جو شیر خواری کی عمر میں ہی فوت ہو گیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ یہ بات انھوں نے اپنی والدہ صاحبہ سے ایک بار نہیں متعدد بار سنی ہے۔ یہ امر قابل افسوس ہے کہ رجسٹر پیدائش کے اس اندراج کو (جو علامہ کی پیدائش کے متعلق نہیں) بغیر کافی تحقیق کے ان کی تاریخ پیدائش تسلیم کر لیا گیا اور پھر اس کی بنا پر تاریخ پیدائش کے متعلق علامہ کے اپنے اور ان کے برادر اکبر کے واضح بیانات کو رد کر دیا گیا ہے؟

علامہ مرحوم کو میونک یونیورسٹی نے جس مقالے (The development of metaphysics in Persia) پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری دی تھی اس کے شروع میں یونیورسٹی کے قاعدے کے مطابق انھوں نے اپنے بارے میں ایک مختصر سا نوٹ لکھا تھا۔ اس نوٹ میں انھوں نے اپنی تاریخ پیدائش ۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ لکھی ہے۔ علامہ سے غالباً سہو یہ ہوا کہ ۱۲۹۴ کو جب عیسوی سن میں تبدیل کیا تو ۱۸۷۷ کے عوض ۱۸۷۶ لکھ گئے۔ (۱۸۷۳ کو تو انھوں نے کہیں اپنی تاریخ پیدائش بتایا ہی نہیں) ۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ جمعہ کا دن تھا۔ اور ۲۲ فروری ۱۸۷۳ جمعہ کا دن نہیں تھا بلکہ "روزگار فقیر" کے مصنف کی تحقیق کے مطابق "۱۸۶۷ سے ۱۸۷۷ تک کوئی ۲۲ فروری بھی جمعہ کو نہیں پڑتی اور سنہ ۱۲۸۹ سے ۱۲۹۴ تک کوئی ۳ ذیقعدہ سوائے ۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ کے جمعہ کو نہیں پڑتی۔"

اور ۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ کو عیسوی سن کے حساب سے ۹ نومبر ۱۸۷۷ تھی۔

(جگن ناتھ آزاد)

ترجمے کا فن

فروری کے مہینے کے دوسرے شمارے میں جناب تاج الحسن سراج ادیبی صاحب کا مراسلہ نظر سے گزرا۔ بہتر ہے کہ ایک فیصلہ کن معرکہ ہو جائے۔

آیئے ROBUST LANGUAGE کی ترکیب پر غور کریں۔ سب سے پہلے آپ مجھے یہ بتایئے کہ کیا یہ روز مرہ ہے؟ کیا یہ محاورہ ہے؟ کیا یہ بکثرت مستعمل لفظ ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ ترکیب جہاں استعمال ہوئی ہے، پہلی بار استعمال ہوئی ہے مصنف اس ترکیب کا مخترع ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے اس اجنبی ترکیب کا سہارا کیوں لیا۔ وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی بنا پر مصنف کو ایک نئی ترکیب اختراع کرنا پڑی۔ یقیناً وہ اس سے ایک ایسا مفہوم ادا کرنا چاہتا ہے جس کے لیے انگریزی میں پہلے سے کوئی لفظ موجود نہیں تھا، یا کم سے کم مصنف کو اس لفظ کا علم نہیں تھا۔

آیئے اب سیاق کی طرف۔ ترکیب کے پس منظر کو پیش نظر رکھیے۔ ایک ہندوستانی سپاہی ہے، لمبا چوڑا، تڑنگا سا (جیسا کہ عام طور پر کانسٹیبل ہوتے تھے اُن دنوں) آواز اس کی گرجدار ہے، وہ مصنف پر ڈپٹ رہا ہے، اور مصنف اس کی زبان سمجھنے سے قاصر ہے۔

اب آپ اپنے کیے ہوئے ترجموں پر غور کیجیے: درشت کلامی، سخت کلامی، تیز کلامی، تند گوئی وغیرہ۔ کیا ان کے لیے انگریزی میں پہلے ہی بیسیوں الفاظ موجود نہیں ہیں۔ آخر مصنف نے اس اجنبی ترکیب کا سہارا کیوں لیا۔ یقیناً دوسرے تمام الفاظ اس کے مفہوم کی ادائی میں ناقص ہیں۔

پھر ROBUST LANGUAGE میں تعریف کا پہلو بھی ہے۔ آپ کے پیش کیے ہوئے ترجموں میں صرف مذموم پہلو کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اور مزید یہ کہ LANGUAGE کا ترجمہ الفاظ کیوں کر ممکن ہے۔ اگر مصنف کا مفہوم یہ ہوتا تو وہ خود ہی WORDS کا لفظ استعمال کرتا۔ صوتی اعتبار سے بے شک "درشت" ROBUST سے مناسبت رکھتا ہے! مگر معنوی اعتبار سے دونوں میں خاصا بعد ہے۔

بہتر ہے کہ اب میں سراج صاحب کے اعتراض کا جواب بھی دے دوں۔ "میں نے "ٹگڑی زبان" کے علاوہ تمام ترجموں کو "یکسر غلط" کہا تھا۔ اور ٹگڑی زبان کو صرف "غلط"۔ ان دونوں میں کافی فرق ہے۔ "ٹگڑی زبان" کو میں نے پہلے جملے میں اس لیے مستثنیٰ رکھا کہ یہ کوشش صحیح سمت کو تھی۔ اس کو غلط ٹھہرانے سے پہلے میں نے کچھ مہلت رکھی تھی۔ یہ ترجمہ صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ صحیح اس لیے کہ یہ ترجمہ کے صحیح اصول پر سب غلط اس لیے کہ ROBUST کے لیے ٹگڑا کا انتخاب درست نہیں۔

اور پھر آپ کے پیش کیے ہوئے ترجموں کو جب کوئی باز ترجمہ (RETRANSLATION) کرے گا تو وہ کبھی بھی ROBUST LANGUAGE نہیں کرے گا۔ بہتر ہو کہ قارئین میرے دو مضامین "ادبی ترجمہ کا فن" اور "آن کا اردو ترجمہ" "ہماری زبان" کے پچھلے شماروں میں ملاحظہ فرمالیں۔

آخر میں، میں اپنے پیش کیے ہوئے ترجمے کی ناکامی کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے اپنی عدم قابلیت کا اعتراف ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ROBUST کے تمام ہم معنی اردو الفاظ جمع کیے جائیں اور ان میں سے ایک ایسا لفظ انتخاب کیا جائے جو مجموعی طور پر ROBUST کا قریب تر نہیں مساوی لفظ ہو۔ ترجمہ کرتے وقت مترجم کا سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ زیر ترجمہ الفاظ کے دریچے سے مصنف کے ذہن میں جھانکے اور یہ معلوم کرے کہ وہ ان الفاظ کے ذریعہ سے کونسا مفہوم ادا کرنا چاہتا ہے۔ الفاظ تو اس مفہوم کی ترسیل کے VEHICLES ہیں۔ منظوم ترجمے کے وقت، اوزان کا خیال رکھتے ہوئے انتخاب الفاظ میں کچھ رعایت کی جا سکتی ہے، لیکن نثری ترجمے میں ایسی کوئی رعایت مترجم کو نہیں دی جا سکتی۔ (اقبال کرشن)

"خطا" اور سوالِ خالق

ہماری زبان مورخہ ۱۵ فروری میں محترمہ جہاں بانو نقوی صاحبہ نے "خطا" کو ایک ادبی قصور کا حامل قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ "خطا" فارسی کے قطعہ کا ترجمہ ہے۔

میں نہایت خلوص دل سے عرض کرتا ہوں کہ وہ فارسی کا قطعہ نہ میں نے آج تک پڑھا اور نہ سنا (خدا کے فضل سے ابھی میری قوت یادداشت دغا نہیں ہوئی) اور اس لیے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ محترمہ کا الزام سراسر لغو ہے۔ اس قسم کی رکیک حرکت نہ میرا کبھی شیوہ رہی اور نہ رہے گی۔ اس سے قبل بھی میں نے کئی انگریزی و ہندی نظموں کے ترجمے کیے ہیں اور کبھی بھول کر بھی امانت میں خیانت نہیں کی۔

میرے خیال میں محترمہ اپنے خیالات کا اظہار اور بھی بہتر طریقے سے کر سکتی تھیں اور اگر ان کا ذخیرۂ الفاظ محدود ہی ٹھہرا تو میں اپنی غلط فہمی پر نادم ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ میں رابرٹ ہیرک کی ROBERT HERRICK پڑھ رہا تھا نظم ختم ہونے کے بالکل جلد ختم ہو گئی اور میں نے خطا اسی وقت ہی میں کہہ لی۔ فارسی کا قطعہ تو میرے ذہن گمان میں بھی نہ تھا۔ اب محترمہ کو میری دیانت داری میری حیثیت پر ہی شک گزرتا ہے تو وجوہات کم از کم مراضمیر اس بات کا شاہد ہے کہ میں نے فارسی قطعہ قطعاً استفادہ نہیں کیا ہے۔ میری ادبی کوشش اگر محض الفاظ سے کسی کے خیال اور مضمون کا ترجمہ ہو گئی تو وہ نہیں کہ میں ہرگز یہی نہیں کہ میں عدالت ادب میں مجرم ہوں۔ (دلیپ بادل)

ملّا صاحب کے اعزاز میں ایک ادبی جلسہ

دلی رائٹرس ایسوسی ایشن:- ۱۰ فروری ۱۹۹۵ء کو دہلی رائٹرس ایسوسی ایشن کی جانب سے میکس مولر بھون نئی دہلی میں ایک ادبی اجتماع پنڈت آنند نرائن ملّا کو ان کے مجموعہ "میری حدیث عمر گریزاں" پر ملنے والے ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ پر تہنیت پیش کرنے کے لیے ہوا۔

میکس مولر بھون جیسی عظیم الشان اور اہم جگہ پر اردو کے ادیبوں کا یہ اجتماع اس دور میں اور بھی زیادہ اہم ہے اس لیے کہ اب تو اردو کے ادبی اجتماعات محض چند ارباب خلوص کے ذہنوں تک ہی محفوظ ہو کر رہ گئے ہیں۔

دلی رائٹرس ایسوسی ایشن اپنے جلسوں میں اردو، ہندی، پنجابی کے تخلیق کاروں کو مدعو کرتی ہے۔ چنانچہ اس میٹنگ میں بھی تینوں زبانوں کی اہم ترین ادبی شخصیتیں موجود تھیں۔

ایسوسی ایشن کے صدر کرشن موہن نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ اس جلسہ میں پروفیسر آل احمد سرور، ڈاکٹر مسعود حسین، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، گوپی ناتھ امن، آنند نرائن ملّا، عبد اللطیف اعظمی، عتیق صدیقی، [illegible] مشتاق، بیگم حیات اللہ انصاری، قاضی عدیل عباسی، گلزار دہلوی، [illegible] باقی ایم۔ اے سریندر پرکاش، راج نرائن راز، محمود ہاشمی، نریندر ناتھ، جی آر سنتوش، رام لال، کرشن موہن، کیلاش ماہر، سعید ہاشمی وغیرہ نے شرکت کی۔

جلسہ کی [illegible] ایسوسی ایشن کے سکریٹری کیلاش ماہر کی تقریر سے ہوئی۔ موصوف نے ایسوسی ایشن کی کارگزاریوں کی روداد اور اس اجتماع کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ جلسہ کی صدارت پروفیسر آل احمد سرور نے کی۔

ایسوسی ایشن کے صدر کرشن موہن نے مہمان خصوصی جناب آنند نرائن ملّا صاحب کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی اور خیر مقدم کیا۔ سعید ہاشمی نے ملّا صاحب کی شاعری پر ایک مضمون پڑھا بعد ازاں تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا۔

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے اپنی تقریر میں ملّا صاحب کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا۔ ڈاکٹر مسعود حسن نے فرمایا کہ ملّا صاحب کی شاعری روایت اور جدید نظریات و مطالبات کے امتزاج کی بڑی اچھی مثال ہے۔ گلزار دہلوی نے ملّا صاحب کی شاعری کے اہم نکات پیش کیے۔ اور اردو کی موجودہ جدوجہد میں ملّا صاحب کی خدمات اور بیباکی کو سراہا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے دور میں اردو کی بعض بڑی شخصیتیں سیاسی حالات کے سبب ۱۹۴۷ء کے بعد اچانک مشہور و مقبول ہوئیں، لیکن ملّا صاحب کا نام آج جتنا اہم ہے، اتنا ہی ۱۹۴۷ء سے پہلے کے معاشرے میں تھا۔

سرور صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں انتہائی بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ آپ نے خصوصاً لکھنؤ اسکول کی شاعری پر تبصرہ فرمایا اور کہا کہ ملّا صاحب کی شاعری اس نئے لکھنؤ کی نمائندگی کرتی ہے، جس میں پہلے جیسا تصنع باقی نہیں اور جو اب صرف ماضی کی قدروں کو سینے سے لگا کر حال اور مستقبل سے بے نیاز ہو جانے والا لکھنؤ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اب ایک ایسے خطّے کی تمام تر زندہ تحریکات موجود ہیں۔ جس پر ایشیا اور افریقہ کو فخر کرنا چاہیے۔ سرور صاحب نے روایتی شاعری اور جدید شاعری کے محاسن و معائب پر انتہائی پرکیف انداز میں روشنی ڈالی اور ساتھ ہی ایسوسی ایشن کی خدمات کو بھی سراہا اور کہا کہ یہ ایسوسی ایشن اس لیے زیادہ اہم ہے کہ مختلف زبانوں کے لوگ اس میں شریک ہیں اور اپنے اپنے خیالات ایک دوسرے کے سامنے رکھتے ہیں۔

سرور صاحب کے بعد ملّا صاحب نے اپنے شعری نظریات اور ادبی مسائل پر سیر حاصل تقریر فرمائی۔ جلسہ کے اختتام پر مہمانوں کو عصرانہ دیا گیا۔

(کیلاش ماہر سکریٹری)

اردو کو دہلی کی علاقائی اور سرکاری زبان تسلیم کیا جائے

دہلی ۷ فروری۔ دہلی کے اردو دوستوں کا ایک عام جلسہ درگاہ حضرت نظام الدین نئی دہلی میں ہوا۔ اس جلسہ میں تقریباً پانچ ہزار اردو دوست شریک ہوئے یہ جلسہ آل پارٹیز اردو ریجنل اینڈ سیکنڈ لینگویج کمیٹی دہلی کی طرف سے ہوا۔ اس میں سنت کرپال سنگھ اور سوامی سرشید آنند جی کے علاوہ وزیر دفاع جناب یشونت راؤ بلونت راؤ چوان بھی موجود تھے گلزار دہلوی صاحب نے ایک ریزولیشن پیش کیا۔ جو اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔

اس ریزولیشن میں حکومت ہند سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ دہلی میں اردو کو علاقائی اور سرکاری زبان تسلیم کرے اور مختلف صوبوں کے بڑے وزیروں اور کانگرس ہائی کمانڈ کو اردو کے حقوق کے سلسلے میں توجہ دلائے اور ضروری کارروائی کرے۔ ریزولیشن میں اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ اردو کسی ایک فرقے یا مذہب کی زبان نہیں ہے اردو کا دہلی کا تعلق اتنا گہرا اور پرانا ہے کہ ان کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اردو ایک ہزار سالہ تہذیبی ارتقا کی دین ہے اور اس کو دہلی میں ہر فرقے اور مذہب کے لوگ بولتے ہیں چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں یا عیسائی۔ پڑھے لکھے ہوں یا ان پڑھ۔

ریزولیشن کی تائید مندرجہ ذیل حضرات نے کی۔

(۱) میر مشتاق احمد (۲) سبھدرا جوشی ایم۔ پی (۳) سید سجاد ظہیر (۴) جناب رتبیر (ملاپ) (۵) جگن داس اختر (سویرا) (۶) خوشتر گرامی (بیسویں صدی) (۷) مہر پیندر ناتھ ظفر پیامی (۸) آنند موہن زتشی گلزار دہلوی (۹) چودھری عبدالستار (۱۰) عزیز وارثی (۱۱) انور رضوی (۱۲) کرشن موہن (۱۳) برج موہن خان (۱۴) سنت کرپال سنگھ (۱۵) سوامی سرشید آنند جی (۱۶) میر خواجہ حسن نظامی (۱۷) جینیندر کمار جین (۱۸) برج موہن (کانگریس پارٹی لیڈر) (۱۹) نرنجن سنگھ (۲۰) ایشور داس اہلووالیہ (۲۱) یونس دہلوی (شمع) (۲۲) بہار برنی (جمعیت) (۲۳) مہیشور دیال (دہلی اسٹیٹ چیمبر آف کامرس) (۲۴) وشنو پربھاکر (۲۵) شیو کمار (ہندوستان) (۲۶) ہری دت شرما (نوبھارت ٹائمس)۔

عربی کی ایک قدیم لغت برطانوی عجائب خانہ میں

لندن ۷ فروری۔ برطانوی عجائب خانہ کے لیے عربی کی ایک قدیم لغت حاصل کی گئی ہے جو اسماعیل ابن عباد کی مرتب کردہ ہے۔ یہ صرف ایک ہی جلد ہے اس لغت کا مرتب ۹۹۵ء میں انتقال کر گیا۔ وہ شاعر بھی تھا سیاست داں اور محقق بھی تھا۔

(اے۔ اے۔ آئی۔ ایس)

بہار ریاستی انجمن کا جلسہ

ریاستی انجمن بہار کے ایک حالیہ جلسے میں مندرجہ ذیل قراردادیں منظور ہوئیں۔

یہ جلسہ شدت سے یہ محسوس کرتا ہے کہ ۲۶ جنوری ۱۹۶۵ء کے بعد زبان کے سوال نے جنوبی ہند اور ملک کے دیگر حصوں میں جو صورت پیدا کر دی ہے اس کا یہ تقاضہ ہے کہ وطن عزیز کی سالمیت اور اتحاد کی خاطر ملک بھر میں زبان کے مسئلہ پر از سر نو غور کیا جائے۔ ہم یہ بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اردو طبقہ درحقیقت یہ چاہتا تھا کہ گاندھی جی کی خواہش کے مطابق ملک کی قومی زبان ہندوستانی ہو۔ جو دیوناگری اور فارسی رسم خط میں لکھی جائے۔ لیکن ہم یہ اعلان بھی کر دینا چاہتے ہیں کہ جب ہندی زبان بہ خط دیوناگری ملک کی سرکاری زبان بنا دی گئی تو ہم نے اسے اس وضاحت کے ساتھ منظور کر لیا کہ اس دستور کے مطابق ملک کی چودہ قومی زبانیں ہوں گی جن کی بقا، تحفظ اور عروج و ترقی کی ضمانت دستور میں موجود ہے۔ ہماری رائے میں ملک اور ریاست بہار کی سب سے بڑی لسانی اقلیت یعنی اردو داں طبقہ اب بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ آزادی کے سترہ اور دستور کے نفاذ کے پندرہ سالوں بعد بھی اردو اقلیت کو بہار میں جائز اور دستوری حقوق سے بھی محروم رکھا گیا ہے۔

لہٰذا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ بہار کی اردو آبادی اس وقت تک مطمئن نہ ہوگی جب تک کہ اردو کو مخصوص کاموں کے لیے جن کا تذکرہ دستخطوں کے ساتھ صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں ۱۹۵۵ء میں پیش کیے گئے میمورنڈم میں کیا گیا ہے، بہار کی ثانوی سرکاری زبان قرار نہ دیا جائے۔ اور اس غرض سے بہار کی آفیشل لینگویجز ایکٹ میں ضروری ترمیم بلا تاخیر مزید عمل میں لائی جائے۔

یہ جلسہ مزید تجویز کرتا ہے کہ صدر جلسہ ایک وفد کے ساتھ وزیر اعلیٰ بہار سے ۱۰ فروری تک مل کر اس جلسہ کے جذبات اور پہلی تجویز کی نقل نیز محضرنامہ مذکور پیش کردہ ریاستی انجمن بابت ۱۹۵۵ء ان کو دیں اور ان سے گزارش کریں کہ دلی میں ہونے والی وزرائے اعلیٰ کی کانفرنس کو بہار کی اردو آبادی کے خیالات سے روشناس کرا دیں۔

۳۔ یہ جلسہ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی تمام شاخوں اور دوسرے اردو اداروں سے اپیل کرتا ہے کہ ۲۳ فروری ۱۹۶۵ء سے پہلے وزیر اعظم، وزیر داخلہ اور صدر کل ہند کانگرس کو تار اور خطوط بھیجیں جس میں مطالبہ کریں کہ مجوزہ وزرائے اعلیٰ کانفرنس میں اردو کو بہار میں علاقائی زبان کی حیثیت دینے کا واضح اعلان کریں۔

ہماری زبان کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت یہ خیال رکھیں کہ کاغذ کے ایک طرف لکھیں۔ (ادارہ)

اردو کو ہر سہولت ملنا چاہیے

وزیر اعظم لال بہادر شاستری کا بیان

نئی دہلی، ۲۵ فروری۔ یہاں پارلیمنٹ میں وزیر اعظم شاستری نے کہا ہے کہ جو لوگ اردو پڑھنا چاہتے ہیں ان کو اردو پڑھنے کے تمام مواقع اور ہر سہولت ملنی چاہیے۔

انھوں نے کہا کہ ایسی کچھ شکایات ہیں کہ جو لوگ اردو پڑھنا چاہتے ہیں ان کو سہولت نہیں ملتی وہ دشواریاں محسوس کرتے ہیں یہ مسئلہ خاص طور سے دہلی، یو۔پی اور بہار سے تعلق رکھتا ہے۔

وزیر اعظم شاستری نے کہا "میں نے اس مسئلہ پر یو۔پی کی وزیر اعلیٰ مسز سچیتا کرپلانی سے بات چیت کی ہے اور اس مسئلہ پر توجہ دی جا رہی ہے۔ جو لوگ اردو پڑھنا چاہتے ہیں ان کو اردو پڑھنے کی ہر سہولت اور تمام مواقع ملنے چاہئیں۔"

وزیر اعظم شاستری نے یہ بات راجیہ سبھا میں بھی جہاں وہ اپنے لوک سبھا والے بیان کو دہرا رہے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ زبان کے سوال سے متعلق تمام امور بہت اہم اور ملک کے اتحاد سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان پر غور کرتے وقت ہر ایک کو پوری طرح محتاط رہنا چاہیے۔ انھوں نے سب لوگوں سے اپیل کی کہ وہ ان پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں اور اس سلسلے میں حکومت پر دباؤ ڈالنے کی کوشش نہ کریں۔

انھوں نے یقین دلایا کہ وہ تمام سیاسی جماعتوں سے مشورہ کریں گے اور بہت جلد سیاسی رہنماؤں کا ایک جلسہ طلب کریں گے۔

انھوں نے اس بات کا اظہار بھی کیا کہ قومی یک جہتی کونسل کو پھر سرگرم کیا جائے گا اور جلد ہی اس کا اجلاس منعقد ہوگا۔

اردو کی شکایت

پارلیمنٹ کے ایوانوں میں بحث کے دوران اردو کے حقوق کا سوال کانگرس کے محمد طاہر (بہار) کمیونسٹ پارٹی کے بھوپیش گپتا، پرجا سوشلسٹ پارٹی کے زید الحق انصاری اور پنجاب کے آزاد رکن عبدالغنی ڈار نے اٹھایا۔

کانگرس کے محمد طاہر نے کہا کہ ہندی کو سرکاری زبان بنانے کے بارے میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے لیکن اردو کو یو۔پی اور بہار میں جس طرح سے نظر انداز کیا جا رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے غیر ہندی علاقوں کی تشویش کو کسی حد تک بجا کہا جا سکتا ہے۔ چالیس لاکھ ہندوؤں اور مسلمانوں نے یو۔پی میں اردو کو علاقائی زبان بنانے کی درخواست دی تھی لیکن اس کے بارے میں کچھ نہیں کیا گیا۔

انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ سہ لسانی فارمولا کو قانونی شکل دے دی جائے۔

زید الحق انصاری نے کہا کہ زبان کا مسئلہ کسی فارمولے سے حل نہیں ہو سکتا ہے یہ صرف بحث، مفاہمت سے ہی حل ہو سکتا ہے۔ انھوں نے شکایت کی کہ اردو کو یو۔پی میں نظر انداز کیا جا رہا ہے اور پوچھا کہ سہ لسانی فارمولے پر عمل در آمد کس طرح ہوگا؟

پنجاب کے مولوی عبدالغنی ڈار نے کہا کہ پنجاب میں آخر سہ لسانی فارمولا پر کس طرح عمل در آمد ہوگا جہاں اردو، ہندی اور پنجابی کو پہلے ہی سے علاقائی زبان تسلیم کیا جا چکا ہے؟

کمیونسٹ پارٹی کے شری بھوپیش گپتا نے پوچھا کہ یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانات کے لیے علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے کیا اقدام کیے جائیں گے اور کیا اس مقصد کے لیے اردو بھی ایک علاقائی زبان تسلیم کی جائے گی۔ (قومی آواز لکھنؤ)

کشمیر اسمبلی میں اردو

جموں ۲۵ فروری۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ اس مرتبہ صدر ریاست کرن سنگھ جموں و کشمیر اسمبلی کے مشترکہ اجلاس کو انگریزی کی جگہ اردو میں خطاب کریں گے۔

اس طرح پندرہ سال پرانی روایت ٹوٹ جائے گی۔ ریاستی اسمبلی کے قیام سے اب تک صدر ریاست کا خطبہ انگریزی میں ہوتا تھا۔

اس سلسلے میں آخری فیصلہ جلد ہی کیے جانے کی امید ہے۔ (قومی آواز لکھنؤ)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔